16

آزادی اور حرّیت ہی ایسی چیز ہے جو سچا ایمان پیدا کر سکتی ہے

(فرمودہ 14 مئی 1948ء بمقام رتن باغ لاہور)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"انگریزی کی ایک مثل ہے کہ "TIT FOR TAT"[1] (ٹٹ فار ٹیٹ) عربی میں اس کے مقابلہ میں کہا جاتا ہے کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ ۔ یعنی جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ مَیں نے کچھ عرصہ ہوا جماعت لاہور کو اُس کی بعض غلطیوں کی طرف توجہ دلائی تھی۔ مجھے کہا گیا ہے کہ افسرانِ جماعت ان امور کی اصلاح کی فکر میں ہیں۔ گو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ غلطیاں جن کی اصلاح کی طرف اُنہیں سات آٹھ ماہ سے توجہ دلائی جا رہی ہے اُن کی اصلاح کا اُنہیں آج کیوں احساس ہوا ہے؟ اُس کی اصلاح کا خیال یقیناً اُنہیں بہت عرصہ پہلے ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن کہتے ہیں صبح کا بُھولا اگر شام کو گھر آ جائے تو اُس کو بھُولا نہیں کہتے۔ بہرحال یہ ایک ناپسندیدہ امر تھا کہ الفضل نے اِس قسم کی باتوں کو شائع کر دیا۔ حالانکہ میری ہمیشہ سے اسے یہ ہدایت ہے کہ کسی شخص یا جماعت کے متعلق اگر کسی نقص کا ذکر میری مجلس میں آئے تو اُس کو بغیر مجھے دکھانے کے ہرگز شائع نہ کیا جائے۔ مگر بعض لوگوں کو شوق ہوتا ہے

کہ وہ دوسرے کے عیب بیان کریں اور انہیں اس میں ایک لذت محسوس ہوتی ہے۔ اِسی کے ماتحت الفضل کے نمائندہ نے ان باتوں کو نمایاں نہ کیا حالانکہ اتر سوں کی تقریر کے بعد جب شیخ بشیر احمد صاحب نے مجھ سے کہا کہ مناسب ہے کہ اس تقریر کو ابھی شائع نہ کیا جائے اور ہمیں اصلاح کا موقع دیا جائے تو مَیں نے اُسی وقت پرائیویٹ سیکرٹری کو حکم دیا کہ وہ الفضل کو اِس تقریر کے شائع کرنے سے روک دیں۔ لیکن پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے اُس امیر کے مقولہ پر عمل کیا جس کے متعلق کہتے ہیں کہ اُس کے پاس ایک فقیر نے آ کر سوال کیا کہ وہ اس کو کچھ دے۔ اُس امیر نے لوگوں پر رعب جمانے کے لیے اپنے نوکروں کے بڑے بڑے شاندار نام رکھے ہوئے تھے نام تو مجھے یاد نہیں تاہم یوں سمجھ لو کہ اُس نے آواز دی اے پکھراج! تم یاقوت سے کہو اور اے یاقوت! تم لعل سے کہو اور اے لعل! تم زمرد سے کہو اور اے زمرد! تم عقیق سے کہو اور اے عقیق! تم جوہر سے کہو اور اے جوہر! تم اس فقیر سے کہو (جو اُس کے سامنے کھڑا تھا) کہ میرے پاس اُس کے دینے کے لیے کچھ نہیں۔ ہمارے پرائیویٹ سیکرٹری صاحب نے بھی اسی کمرہ میں بیٹھے بیٹھے اپنے اسسٹنٹ سیکرٹری کو کہا کہ تم یہ ہدایت آگے پہنچا دو۔ اسسٹنٹ سیکرٹری نے دوسرے اسسٹنٹ سیکرٹری سے کہا۔ اُس نے سپرنٹنڈنٹ سے کہا، سپرنٹنڈنٹ نے ڈسپیچر (Despatcher) سے کہا۔ ڈسپیچر نے دفتری سے کہنا چاہا کہ تم یہ ہدایت آگے پہنچا دو۔ مگر وہ دفتری پہلے ہی کہیں پہنچا ہوا تھا۔ اِس طرح کاغذ دفتر میں ہی رہ گیا اور مضمون چھپ گیا۔ بہرحال مَیں نے اس کی تردید کرا دی ہے لیکن اِس پر مردوں کو تو جوش نہ آیا ایک عورت کو جوش آیا ہے اور اُس کا ایک رجسٹری خط مجھے ملا ہے جس میں اُس نے بعض اعتراضات کیے ہیں۔ مجھ پر تو نہیں لیکن اُس نے خاندان کا لفظ استعمال کیا ہے کسی کا نام اُس نے نہیں لکھا۔ اِس لیے مَیں نہیں کہہ سکتا کہ اُس کی مراد کس سے ہے۔ البتہ مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ جس طرح میرے اعتراضات کی وجہ بدنیتی نہیں بلکہ اصلاح تھی اِسی طرح اس خاتون کے اعتراضات کی وجہ بھی بدنیتی نہیں بلکہ اصلاح ہی معلوم ہوتی ہے۔ شروع میں تو اس عورت نے اپنے خاوند کی شکایت کی ہے۔ اس نے اپنا نام بھی لکھا ہے۔ ممکن ہے وہ نام اصلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرضی ہو۔ اِس لیے مَیں اُس کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ بہرحال اُس نے بیان کیا ہے کہ مَیں نے اپنے خاوند سے یہ شکایت کی تو خاوند نے مجھے ڈانٹا اور کہا کہ خلیفۃ المسیح تو بادشاہ ہیں۔ تم اُن پر کیا اعتراض کرتی ہو! اور ان کی مثال اپنے گھر میں کیوں جاری کرنا چاہتی ہو۔ جہاں تک اتنے حصہ کا

تعلق ہے مَیں تسلیم کرتا ہوں کہ خاوند نے اخلاص کا ثبوت دیا ہے مگر اس نے اپنی بات منوانے کے لیے اور اپنی بیوی کے اعتراض کو ردّ کرنے کے لیے صحیح طریق اختیار نہیں کیا۔ **اول** تو جیسا کہ ہم کہتے ہیں خاوند اور بیوی میں اِس قسم کا تعلق نہیں ہوسکتا کہ دونوں کے دماغ ایک طرح کام کریں۔ ہوسکتا ہے بیوی کا دماغ اَور طرح کام کر رہا ہو اور خاوند کا دماغ اَور طرح کام کر رہا ہو۔ ہم مجبور نہیں کر سکتے نہ خاوند کو اور نہ بیوی کو کہ وہ ایک طرح کام کریں۔ کیونکہ ایسا کرنے کی ہمیں طاقت حاصل نہیں۔ ایسا کرنے کی خدا تعالیٰ بھی ہمیں اجازت نہیں دیتا۔ پس گو اخلاص کے ماتحت ہی خاوند نے یہ بات کہی مگر میرے نزدیک ایسا کہنا درست نہیں تھا۔ عورت کو پورا حق حاصل ہے کہ وہ خاوند سے جزئیات میں اختلاف کرے۔ ایک عورت کو پورا حق حاصل ہے کہ وہ اصولی امور میں اُس سے اختلاف کرے بلکہ اُسے یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ اپنے خاوند سے مذہب میں کُلّی طور پر اختلاف کرے۔ پس یہ طریق درست نہیں کہ خاوند اپنی بیوی کو حکومت کے ذریعہ اپنی بات منوانا چاہے۔ عورت کا دماغ اُتنا ہی آزاد ہے جتنا کہ مرد کا دماغ آزاد ہے۔ ہم دلیل کے ماتحت تو عورت کو قائل کر سکتے ہیں جس طرح دلیل کے ساتھ مرد کو قائل کر سکتے ہیں لیکن رعب کے ساتھ ہم نہ کسی مرد کو اپنی بات منوا سکتے ہیں اور نہ عورت کو اپنی بات منوا سکتے ہیں۔ ہاں اُسے چپ ضرور کرا سکتے ہیں۔ دوسرا حصہ دلیل کا کہ وہ بادشاہ ہیں یہ اُس سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ اگر بادشاہ سے مراد روحانی بادشاہت کے لیے تو اس اعتراض کے صحیح ہونے کی صورت میں بیوی کا اعتراض اَور بھی بڑھ جاتا ہے۔ بہرحال میرے نزدیک یہ دونوں طریق اُس کے خاوند نے غلط اختیار کیے ہیں۔ اُس کو خاموش کرانے کی کوشش کرنا بھی غلط تھا اور اسے یہ دلیل دینا کہ وہ بادشاہ ہیں یہ بھی غلط ہے۔ اگر واقع میں وہ اعتراض غلط تھا تو اُس کو دلیل کے ساتھ غلط ثابت کرنا چاہیے تھا اور اگر اعتراض ضد کی بناء پر تھا تو پھر ڈانٹنے کا کیا مطلب۔ "جواب جاہلاں باشد خموشی"۔ وہ خاموش ہی ہو جاتا۔ اور اگر یہ اعتراض درست تھا تو پھر خاوند کو چاہیے تھا کہ وہ خود یہ اعتراض مجھے پہنچاتا نہ یہ کہ اُس اعتراض پر بیوی کو ڈانٹتا۔ ہمیں تو شکایت ہی یہ ہے کہ آجکل مردوں اور عورتوں کا ایمان بھیڑ چال کا رنگ رکھتا ہے۔ عورت مرتد ہوتی ہے تو ساتھ ہی مرد بھی مرتد ہو جاتا ہے اور مرد اِرتداد اختیار کرتا ہے تو ساتھ ہی عورت بھی مرتد ہو جاتی ہے۔ یہ کوئی ایمان نہیں۔ صحابہؓ میں ہمیں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اگر کوئی مثال ملتی ہے تو یہ کہ مرد اگر غلط بات کہتا ہے تو بیوی اَڑ جاتی ہے اور اگر بیوی غلط بات کہتی ہے تو خاوند اَڑ جاتا ہے۔

دیکھو یہ کیسی شاندار مثال ہے جو صحابہؓ کی زندگی میں ہمیں نظر آتی ہے کہ ایک نوجوان کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ پردہ کا حکم اُس وقت نازل ہو چکا تھا۔ اُس نوجوان نے چاہا کہ وہ لڑکی کی شکل بھی دیکھ لے مگر چونکہ پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا لڑکی کے باپ نے اُس کو ناپسند کیا اور کہا کہ شادی کرو یا نہ کرو مَیں تمہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اُس نوجوان نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ یارسول اللہ! مَیں فلاں لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور تو سب باتیں مجھے پسند ہیں صرف مَیں لڑکی کو دیکھنا چاہتا ہوں مگر لڑکی کا باپ اجازت نہیں دیتا۔ آپ نے فرمایا ہاں شادی کی غرض سے لڑکی کو دیکھ لینا جائز ہے۔ تم میری طرف سے یہ کہہ دو۔ اُس نوجوان نے لڑکی کے باپ سے جا کر یہ بات کہہ دی مگر اُس نے کہا مجھ سے تو یہ بے غیرتی برداشت نہیں ہو سکتی۔ لڑکی پردے کے اندر بیٹھی ہوئی یہ باتیں سُن رہی تھی۔ جب اُس نے یہ بات سُنی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو شکل دیکھنے کی اجازت دی ہے مگر میرا باپ اِس پر رضامند نہیں تو وہ خود پردہ اُٹھا کر باہر آ گئی اور کہنے لگی۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جاؤ اور لڑکی کو دیکھ لو تو میرے باپ کا کیا حق ہے کہ وہ اِس میں روک بنے۔ لو مجھے دیکھ لو۔ مَیں سامنے کھڑی ہوں۔ 1 دیکھو وہ اُس کا باپ تھا اور وہ اُس کے گھر میں پل رہی تھی۔ مگر پھر بھی اُس نے دین کے معاملے میں اپنے باپ سے اختلاف کر لیا۔ یہ خیال درست نہیں کہ پُرانے زمانہ میں لڑکیاں شادی کے موقع پر بول پڑا کرتی تھیں حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اِس زمانہ میں لڑکیاں شادی کے موقع پر خاموش رہتی ہیں اِسی طرح پرانے زمانے میں بھی خاموش رہا کرتی تھیں۔ اِسی لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رَضَاءُ هَا سُكُوْتُهَا 2 اُس کی خاموشی ہی اُس کی رضا ہے۔ مگر باوجود اِس کے کہ شریعت نے اِس معاملہ میں اپنے حکم کے معنی بدل دیئے ہیں اور لڑکی کی خاموشی کو اُس نے رضا قرار دے دیا ہے۔ پھر بھی جب دین کا معاملہ آیا لڑکی دلیری سے باہر نکل آئی اور اُس نے کہا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لڑکی کو دیکھنے کی اجازت دی ہو تو اَور کون اِس میں روک بن سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آزادی اور حریت ہی ایسی چیزیں ہیں جو سچا ایمان پیدا کر سکتی ہیں۔ اگر یہ حریت حاصل ہو تو نہ عورت کے ساتھ خاوند مرتد ہو سکتا ہے اور نہ خاوند کے ساتھ عورت مرتد ہو سکتی ہے۔ یہی ایمان ہے جو لوگوں کو پختہ کار بناتا ہے اور جس کے ہوتے ہوئے کسی قسم کا ابتلاء نہیں آ سکتا۔ ہر شخص اپنے ایمان پر کھڑا ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ خاوند بیوی کے ایمان پر کھڑا ہو اور بیوی خاوند کے ایمان پر کھڑی ہو۔

اِس خاتون نے جو اعتراضات لکھے ہیں وہ یہ ہیں کہ "خاندان کی عورتیں سادہ زندگی بسر نہیں کرتیں۔خود کام نہیں کرتیں بلکہ گھروں میں انہوں نے نوکر رکھے ہوئے ہیں۔ گوٹہ کناری سے دوسروں کو منع کیا جاتا ہے مگر خود گوٹہ کناری استعمال کی جاتی ہے، سواری استعمال کرتی ہیں، لجنہ کی کلرک ہیں وہ خود کام نہیں کرتیں۔ جہاں تک سادہ زندگی کا تعلق ہے یہ ایک نسبتی لفظ ہے۔ہم سادہ زندگی کی کوئی ایک تعریف نہیں کرسکتے۔ مثلاً سادہ زندگی میں پہلے کھانا آتا ہے۔ کھانے کے متعلق ہم نے یہ اصول مقرر کیا ہوا ہے کہ ایک کھانا ہو۔اس کے متعلق اس خاتون سے بہرحال مَیں زیادہ واقف ہوسکتا ہوں کیونکہ مَیں روزانہ گھر میں کھانا کھاتا ہوں۔ اور یہ بھی لازمی بات ہے کہ اگر گھر میں ایک سے زیادہ کھانے پکے ہوں تو عورت اپنے خاوند کے آگے ہی وہ کھانے رکھتی ہے۔ مگر جہاں تک میرا علم ہے ہمارے گھروں میں ایک ہی کھانا پکتا ہے سوائے بیمار کے۔ مثلاً بیمار کو بے مرچ سالن چاہیے۔ اب سب گھر والوں کو تو بے مرچ سالن نہیں دیا جاسکتا۔ اگر کسی بیمار کے لیے بعض دفعہ بے مرچ سالن بھی تیار ہوجائے تو اس کو دو کھانے نہیں کہہ سکتے۔ یا مثلاً کسی کو پیچش ہو اور اُس کے لیے خشکہ پک جائے تو یہ بھی دو کھانے نہیں ہوں گے کیونکہ روٹی اَور نے کھانی ہے اور خشکہ اَور نے کھانا ہے۔ پچھلے دنوں مجھے پیچش کی شکایت رہی ہے۔ اِس لیے میرے لیے ساگودانہ الگ پکتا رہا ہے کیونکہ اطباء نے لکھا ہے کہ پیچش میں ساگودانہ وغیرہ چیزیں استعمال کرنی چاہییں تاکہ انتڑیوں میں لزوجت[3] پیدا ہو اور زخم جلدی مندمل ہوسکیں۔ ایک بچہ تو ساگودانہ پر گزارہ کرسکتا ہے مگر بڑا آدمی گزارہ نہیں کرسکتا۔ اِس لیے علاوہ ساگودانہ کے خشکہ شوربا یا خشکہ دال بھی پکانا پڑتا ہے۔ یا بعض دفعہ اطباء اسبغول تجویز کرتے ہیں مگر اُس کو بھی دوسرا کھانا نہیں کہا جاسکتا۔ بہرحال جہاں تک کھانے کا سوال ہے مَیں گواہی دے سکتا ہوں اور باورچی خانہ والے بھی گواہی دے سکتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں ہمیشہ ایک کھانا تیار ہوتا ہے سوائے اس کے کہ غلطی سے کوئی شخص اَور نتیجہ نکال لے۔ مثلاً ہمارے باورچی خانہ میں سات آٹھ گھروں کے کھانے پکتے ہیں۔ میرے بہنوئی ہیں، بہنیں ہیں، بھائی ہیں، بھتیجے ہیں چونکہ سب کے کھانے ایک ہی جگہ تیار ہوتے ہیں اِس لیے ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص غلطی سے یہ سمجھ لے کہ یہ سب کھانے ایک گھر کے لیے ہیں حالانکہ وہ الگ الگ گھروں کے لیے تیار ہوتے ہیں اور الگ الگ افراد اُن کے اخراجات کے ذمہ دار ہیں۔ بہرحال ہمارے گھر میں صرف ایک کھانا پکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔

باقی رہا لباس کا سوال سولباس آجکل جس قدر گراں ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ دو دو اڑھائی اڑھائی روپے میں آجکل لٹھے کا ایک گز آتا ہے۔ اِس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ لباس میں تعیّش یا آرائش کا خیال بہت بڑی رقم کے ساتھ ہی کیا جا سکتا ہے اور رقم جو مَیں دیتا ہوں اُس کا علم بھی مجھ کو ہی ہو سکتا ہے اور مَیں سمجھ سکتا ہوں کہ اُس رقم میں سے کس حد تک اخراجات کیے جا سکتے ہیں۔ جنگ سے پہلے مَیں اپنی بیویوں کو پندرہ روپے ماہوار دیا کرتا تھا (یہ بھی قریب کی بات ہے ورنہ شروع میں سات روپے ہی ماہوار کپڑے اور دوسرے اخراجات کے لیے دیا کرتا تھا) لیکن جب سے جنگ شروع ہوئی ہے مَیں اپنی بیویوں کو تیس روپے ماہوار دیا کرتا ہوں۔ میری بڑی بیوی جب سے لاہور آئی ہیں وہ ساری کی ساری رقم انجمن میں بھیج دیتی ہیں اور اُن کے پاس صرف صفر رہ جاتا ہے۔ اب وہ خاتون خود ہی سوچیں کہ صفر میں کتنی عیاشی کی جا سکتی ہے۔ میری باقی بیویوں کے اخراجات کا بھی آسانی کے ساتھ پتہ لگ سکتا ہے۔ وصیت سب نے کی ہوئی ہے، تحریک جدید کے دفتر سے پوچھ لیں کہ وہ تحریک میں کتنا چندہ دیتی ہیں۔ پھر لجنہ اماء اللہ کا چندہ بھی دیتی ہیں۔ یہ چندہ کم از کم پندرہ روپے ماہوار جا پڑتا ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ روپے اُن کے پاس باقی رہ جاتے ہیں۔ اگر یہ سارے کے سارے کپڑوں پر ہی لگا دیئے جائیں تو سال میں وہ صرف چھ سات جوڑے لٹھے اور ململ کے بنا سکتی ہیں۔ اب وہ خاتون خود ہی سوچیں کہ وہ کون سی عیاشی ہے جو اِس رقم میں ہو سکتی ہے۔ یہ تو مَیں نے عقلی دلیل دی ہے باقی اُن کے لباس مجھے نظر آتے ہیں۔ یہ تو نہیں کہ وہ دروازے بند کر لیتی ہیں اور صرف لجنہ کے ممبروں کو کہتی ہیں کہ آؤ اور ہمارے لباس دیکھ لو۔ سب سے زیادہ میری ہی نظر اُن کے لباس پر پڑتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پچھلے سات آٹھ ماہ میں ان میں سے ہر ایک کے لباس اتنے بوسیدہ ہو چکے ہیں کہ ان کے پاس کوئی جوڑا بھی ایسا نہیں جو کئی جگہ سے سِلا ہوا نہ ہو۔ اِسی وجہ سے بعض دفعہ تحفہ کے طور پر جب لٹھا یا ململ بعض دوست مجھے دے جاتے ہیں تو مَیں اُس میں سے کبھی کسی کو پاجامہ یا کوئی اَور کپڑا بنوا دیتا ہوں جس سے گزارہ ہوتا رہتا ہے۔ مگر اِس کے باوجود یہ اعتراض کیوں پیدا ہوا؟ اصل بات یہ ہے کہ بعض عورتیں انتظام اچھا جانتی ہیں اور بعض اچھا انتظام کرنا نہیں جانتی ہیں۔ اس انتظام کے اچھا یا بُرا ہونے کی وجہ سے بہت بڑا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اچھا انتظام کرنے والے تھوڑے روپیہ میں اچھا گزارہ کر لیتے ہیں اور ناقص انتظام والے زیادہ روپیہ میں بھی اچھا گزارہ نہیں کر سکتے۔

پرسوں انجمن کی میٹنگ تھی۔ مَیں نے لنگر والوں سے لنگر کا حساب پوچھا۔ لنگر والے پہلے سالن میں نہ بناسپتی گھی ڈالتے تھے نہ حیوانی۔ جب مجھے معلوم ہوا تو مَیں نے اُن سے کہا کہ اِس سے تو لوگوں کی صحتیں برباد ہو جائیں گی۔ کم سے کم دو چھٹانک فی سیر گھی ضرور ڈالنا چاہیے۔ پرسوں اُنہوں نے حساب بتایا کہ اِس طرح چودہ روپے مہینہ فی کس خرچ بن گیا ہے۔ مَیں نے کہا اِتنا خرچ کس طرح آ سکتا ہے؟ اِس کے جواب میں اُنہوں نے کہا کہ آپ نے جو فرمایا تھا کہ گھی ڈالا کرو۔ اِس وجہ سے یہ خرچ اِتنا نکلا ہے۔ یکدم مجھے خیال آیا کہ ہمارے گھر میں لنگر کی طرف سے جو بل بھیجا گیا ہے وہ اس سے کم ہے۔ قادیان میں جب ہم تھے تو ملازم بازار سے سَودا سلف لے آیا کرتے تھے لیکن جب سے لاہور آئے ہیں لنگر والے ہی سب اشیاء مہیا کرتے ہیں۔ پھر بل بنا کر بھیج دیتے ہیں۔ میری بیویاں رقعہ لکھ کر بھیج دیتی ہیں اور سودا اُنہیں لنگر والے منگوا دیتے ہیں۔ مَیں نے کہا آپ نے ابھی مجھے بل بھجوایا ہے اور اُس بل میں ہمارے گھر کا خرچ اس سے کم دکھایا گیا ہے۔ ہمارے گھر میں 3، 4 چھٹانک کے درمیان گھی پڑتا ہے اور آپ نے جو مجھے بل بھجوایا ہے اُس میں ہمارے گھر کا خرچ پونے دس روپے فی کس لکھا ہے حالانکہ ہمارے گھر کا کھانا آپ سے بہت اچھا ہوتا ہے۔ پھر آپ کا چودہ روپے کس طرح خرچ ہو گیا۔ (پکا ہوا کھانا لنگر نہیں بھجواتا کہ یہ سمجھا جا سکے کہ وہ ہم سے رعایت کرتے ہیں بلکہ ہم اُن کی معرفت جنس منگواتے ہیں جس پر وہ کچھ رقم اور مزدوری وغیرہ کی لگا کر ہم کو بل دیتے ہیں۔ کھانا پکتا ہمارے گھر میں ہے)۔ اُنہوں نے کہا خرچ یہی ہے ہم حساب سامنے رکھ دیتے ہیں آپ دیکھ لیں بیان کرنے والا بھی باورچی نہیں تھا کہ یہ سمجھا جا سکے کہ وہ حساب نہیں سمجھا بلکہ ملک سیف الرحمان صاحب تھے۔ یہ درست ہے کہ اُنہوں نے اپنی طرف سے کوشش کی تھی کہ صحیح حساب پیش کریں۔ مگر آخر مَیں نے اُن کی غلطی نکال لی۔ مَیں نے ان سے پوچھا کہ آپ کا خرچ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہم 320 آدمیوں کے لیے 20 سیر گوشت پکاتے ہیں۔ گویا ایک وقت میں ایک چھٹانک فی کس جا پڑتا ہے۔ مَیں نے کہا آپ نے ہمارا خرچ 90 آدمیوں پر ڈالا ہے اور آپ کی پرچیوں سے پتہ لگتا ہے کہ دو سیر گوشت ایک وقت میں آتا ہے۔ گویا جہاں ایک سیر میں آپ 16 آدمیوں کو کھانا کھلاتے ہیں وہاں ہمارے گھر میں سیر میں 45 آدمی کھانا کھاتے ہیں۔ پھر ہمارا کھانا لنگر کی نسبت زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ لنگر کا کھانا یقیناً ہم لوگ زیادہ دیر تک نہیں کھا سکتے۔ اصل میں نوے کا حساب تو غلط تھا۔ دراصل 70 آدمی

کھانا کھاتے ہیں اور اِس طرح 45 کی بجائے 35 آدمی کھانا کھانے والے بن جاتے ہیں۔ مگر یہ بھی نصف چھٹانک فی کس سے کم بنتا ہے حالانکہ بہت سے گھر ایسے ہیں جن میں چھٹانک چھٹانک ڈیڑھ ڈیڑھ چھٹانک فی کس گوشت استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ ہمارے گھر کا کھانا دیکھ لیں تو شور مچانے لگ جائیں کہ یہ کھانا زیادہ اچھا ہے۔ اصل میں کھانا پکانے کی بہت سی جُزئیات ہوتی ہیں۔ اگر کھانا صحیح طور پر پکایا جائے، گوشت کو اچھی طرح گلایا جائے تو بہت تھوڑی سی چیز میں نہایت اچھا کھانا تیار ہو سکتا ہے۔

مَیں ایک دفعہ راجپورہ گیا۔ میرے پاس بائیس تئیس آدمی تھے۔ گوشت سبزی وہاں نہیں ملتی بلکہ بعض دفعہ دال تک بھی میسر نہیں آتی۔ مَیں نے کہا چلو مرغی لے کر اُس کا شوربا ہی پکالو۔ میرا خیال تھا کہ شوربا اِتنا بن جائے گا کہ وہ بائیس تئیس آدمیوں کو کافی ہوگا۔ مگر مَیں نماز پڑھ کر بیٹھا ہی تھا کہ ایک برات آگئی اور اُنہوں نے کہا کہ ہم نکاح پڑھوانا چاہتے ہیں۔ اس برات میں 35 کے قریب آدمی تھے۔ مَیں نے اُمِّ طاہر مرحومہ کو اندر رُقعہ لکھا کہ چیز تو یہاں ملتی کوئی نہیں اور 35 مہمان آگئے ہیں۔ اب اِس کی تدبیر کچھ اِس طرح کرو کہ مجھے اندر بُلا لو۔ ہم سب فاقہ کرلیں گے اور اِن کو کھانا کھلائیں گے۔ انہوں نے کہا مَیں نے باورچی سے بات کرلی ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ مَیں اِسی میں 55 آدمیوں کو بھگتا لوں گا۔ آپ کوئی فکر نہ کریں۔ مَیں اُن سے باتیں بھی کروں اور دل بھی دھڑکے اب بنے گا کیا؟ پہلے خیال تھا کہ شاید وہ نہ ٹھہریں۔ مگر چونکہ وہ دُور سے آئے تھے اِس لیے مَیں نے اُمِّ طاہر مرحومہ سے کہا کہ غالباً وہ یہاں ٹھہریں گے۔ اگر ایسا ہوا تو یہی صورت ہے کہ اُن کو کھانا کھلا دو ہم سب فاقہ کرلیں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد کھانا آ گیا۔ شوربا نہایت مزیدار پکا ہوا تھا۔ ہم سب نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ اس کے بعد مَیں گھر گیا اور پوچھا کہ باہر تو گزر گئی۔ تم نے بھی کچھ کھایا یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم سب نے کھالیا ہے۔ اب یہ اُس باورچی کا کمال تھا کہ اس نے بوٹی اور ہڈی کو اِس طرح گلا دیا کہ پانی کے اندر بھی شوربے کا مزہ آنے لگا۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم جب زندہ تھے اُن کا میرے ساتھ ہمیشہ یہی جھگڑا رہتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ مَیں مان ہی نہیں سکتا کہ اتنے تھوڑے روپیہ میں گزارہ ہو سکتا ہے۔ اُس وقت ہمارا سات روپیہ مہینہ فی کس ناشتہ اور کھانے پر خرچ آتا تھا۔ مجھے یاد ہے امۃ الحی مرحومہ جب تک زندہ رہیں مَیں سات روپیہ فی کس کے حساب سے خرچ دیا کرتا تھا۔ اُس وقت اُن کے بطن

سے دو بچے تھے۔ تیسرا اُن کی وفات کے قریب پیدا ہوا۔ مَیں تھا، نوکر تھا پھر اوپر کے اخراجات لباس وغیرہ کے متعلق تھے مگر ان سب اخراجات کو ملا کر ہمارا بجٹ ہمیشہ 59 روپے مہینہ ہوتا تھا لیکن اعتراض کرنے والے اُس وقت بھی اعتراض کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے لکھا کہ میری بیوی کہتی ہے آپ کی بیویوں کے پاس پانچ پانچ سَو روپے کا ایک ایک جوڑا ہے۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ وہ بڑے شوق سے آجائیں۔ مَیں اپنی بیویوں کے ٹرنک لاکر ان کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ وہ پانچ پانچ سو کے جوڑے ہمیں دیتی جائیں اور ہمارے کپڑے خود اُٹھا کر لے جائیں۔ اس طرح ہمارا ہی فائدہ ہوگا اُن کا نہیں۔ بلکہ اگر ہمارے سارے کپڑے اور جُوتیاں وغیرہ ملا کر بھی پانچ سو سے کم کے ہوئے تو اُنہیں کم ازکم ایک جوڑا تو پانچ سو کا ہمیں ضرور دینا پڑے گا۔

اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے گھر میں گوٹہ کناری بھی استعمال کرنے والے ہیں مگر ایک بھی نہیں جس نے اِن دنوں گوٹہ کناری خریدا ہو۔ پھر بات کیا ہے؟ بات وہی سلیقہ اور ہُنر والی آجاتی ہے۔ ہماری والدہ ہندوستانی ہیں اور اِس وجہ سے ہمارے ہاں دلّی کا رواج ہے اور دلّی کی عورتیں گوٹہ کناری کو ایسا سنوار کر رکھنا جانتی ہیں کہ ہماری والدہ کو اُن کی دادی کے لباس جہیز میں ملے تھے اور وہ ہم کو دکھایا کرتی تھیں بلکہ دلّی والے تو سَو سَو سال تک بھی گوٹہ لے جاتے ہیں۔ پس یہ تو ٹھیک ہے کہ ان میں سے بعض گوٹہ کناری استعمال کرتی ہیں مگر یہ گوٹہ وہی ہے جو اُن کی شادیوں پر خریدا گیا تھا۔ اُس کے بعد انہوں نے نہیں لیا یا تحریک جدید کے بعد نہیں لیا۔ گوٹہ کناری والے کپڑے ایسے ہی ہیں جو یا تو بیویوں کو بَری میں دیئے گئے تھے یا جہیز میں آئے تھے۔ ابھی چند دن ہوئے مَیں نے اپنی بڑی لڑکی ناصرہ کے جہیز کے ایک جوڑے کے متعلق پوچھا۔ اُس کی شادی 1933ء میں ہوئی تھی جس پر چودہ سال گزر چکے ہیں۔ اُس وقت مَیں نے اُس کو ایک سُنہری کام والا کپڑا خرید کر دیا تھا جو مجھے بہت پسند آیا تھا۔ مَیں نے اُس سے پوچھا کہ کیا وہ جوڑا اُس کے پاس ہے؟ اُس نے کہا وہ اب تک محفوظ ہے۔ اب وہ اُس لباس کو کہیں استعمال کرلے تو یہ قابلِ اعتراض بات نہیں ہوگی۔ دیکھنے والے میں اگر عقل کا مادہ ہوتو اُسے پہلے یہ پوچھنا چاہیے کہ یہ کپڑے کب کے بنے ہوئے ہیں؟ اگر جواب میں اُسے یہ بتایا جائے کہ یہ 1934ء کے بعد کے ہیں تب تو قابلِ اعتراض امر ہے لیکن اگر وہ کہے کہ مَیں نے دیر سے سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں تو یہ قابلِ تعریف بات ہوگی اور اِس بات کی علامت ہوگی کہ وہ بڑے اقتصادی دماغ

رکھنے والے آدمی ہیں اور اپنی ہر چیز کو سنبھال کر رکھتے ہیں۔ میرا بُوٹ ہی ہے اِس کو پہنے اڑھائی سال گزر چکے ہیں حالانکہ کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی دوسرے مہینہ میں ہی ایڑی کُھل جاتی ہے اور وہ سلیپر بنا کر اُسے گھسیٹتے پھرتے ہیں۔ پس اگر کسی چیز کا صحیح استعمال کیا جائے تو یہ قابلِ اعتراض بات نہیں بلکہ قابلِ تعریف بات ہے۔

پھر اصل سوال جو قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ مساوات کے یہ معنی ہیں کہ تمام دنیا ایک لیول پر ہو؟ یا مساوات کے یہ معنی ہیں کہ نسبتی طور پر ہر شخص قربانی کرے؟ اگر اِس کے معنی یہ لیے جائیں کہ سب لوگ ایک لیول پر ہوں تو یہ بات ایسی ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عمل نہیں کرتے تھے۔ احادیث میں ایک شخص کے متعلق آتا ہے کہ جب وہ نماز پڑھایا کرتا تھا تو ننگا ہو جاتا تھا کیونکہ اُس کا کُرتہ لمبا نہ تھا۔ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس بھی ایسا ہی ہوتا تھا؟ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس پورا ہوتا تھا بلکہ احادیث میں یہاں تک ذکر آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جُبّہ تھا جو آپؐ خاص طور پر جمعہ کے دن پہن کر جایا کرتے تھے۔ تو مساوات کہاں رہی؟ پھر احادیث میں آتا ہے کہ آپؐ کے پاس گھوڑا، اونٹ اور خچر بھی تھے4 مگر صحابہؓ میں وہ بھی تھے جن کے متعلق ذکر آتا تھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اُنہوں نے کہا یارسول اللہ! ہمیں کوئی چپلی ہی دے دیں ہم جہاد میں شامل ہونا چاہتے ہیں مگر آپ نے فرمایا میرے پاس چپلی بھی نہیں۔5 اگر مساوات کے یہ معنی ہیں کہ سب کے لباس ایک جیسے ہوں تو مَیں اس خاتون سے یہی سوال کرتا ہوں کہ کیا اُس کا اور اُس کی چُوڑھی کا لباس ایک جیسا ہے؟ وہ یہی کہے گی کہ مَیں اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرتی ہوں اور وہ اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرتی ہے۔ پھر اگر خدا کسی کو زیادہ دیتا ہے اور وہ اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرتا ہے تو اُس پر اعتراض کیسا؟ اب تو ہماری جائیداد کو ایک حد تک نقصان پہنچ گیا ہے۔ پچھلے ایام میں میرا چندہ آمد پر 80 فیصدی ہوتا تھا اور یہ بھی اُس صورت میں جبکہ مجھ پر اِتنا قرض تھا اور اتنا قرض ہے کہ دوسرے آدمی کا اُتنے قرض میں دل بیٹھ جائے۔ ایسے لوگ جن پر نسبتی طور پر اس کا دسواں حصہ بھی قرض ہوتا ہے چندہ دینے سے عموماً گریز کرنے لگ جاتے ہیں۔ مگر میں اِتنے قرض کے باوجود اپنی آمد پر 80 فیصدی چندہ دیتا رہا ہوں۔ پس سوال نسبتی بات کا ہوتا ہے۔

بعض چیزوں کے بارہ میں بے شک اصول مقرر ہیں اور اُس میں سب برابر ہیں مثلاً ہم نے یہ فیصلہ کیا ہوا ہے کہ سب لوگ ایک کھانا کھائیں۔ مگر ہم نے یہ نہیں کہا کہ صرف دال کھاؤ۔ جو گوشت کھا سکتا ہے وہ گوشت کھائے، جو بھُنا ہوا گوشت کھا سکتا ہے وہ بھُنا ہوا گوشت کھائے۔ ہزاروں احمدی ایسے ہوں گے جن کے گھر میں بُھنا ہوا گوشت پکتا ہوگا۔ ہم تو پچھلے آٹھ مہینہ سے پتلے اور لمبے شوربا پر ہی گزارہ کرتے ہیں لیکن اِس کے یہ معنی نہیں کہ اگر کوئی بُھنا ہوا گوشت کھاتا ہے تو یہ قابلِ اعتراض امر ہے۔ اگر ایک آدمی کے گھر کے افراد کم تھے اور اُسکے گھر کے حالات بھی اچھے تھے اور اُس نے بھنا ہوا گوشت کھایا تو یقیناً اُس نے ایک کھانا کھانے کے حکم کو پورا کر دیا۔ لیکن کئی احمدی ایسے بھی ہیں جن کو شوربا تو کیا دال بھی مشکل سے ملتی ہے۔ ایسے احمدیوں سے ہماری حالت یقیناً اچھی ہے۔ پھر کئی ایسے بھی ہیں جن کو دال بھی نہیں ملتی۔ بلکہ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جن کو دو وقت کے فاقے آتے ہیں۔ تم ساروں کے متعلق کوئی ایک قانون نہیں بنا سکتے۔ ہاں اپنی اپنی حالت کے مطابق ہر شخص سادہ زندگی اختیار کرے گا۔ دو وقت کا فاقہ کرنے والا یا وہ جس نے پھٹا پرانا لباس پہنا ہے دوسرے کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیوں سیر ہو کر کھانا کھاتا ہے یا کیوں اُس نے اچھے کپڑے پہنے ہوئے ہیں؟۔ ہم کہیں گے کہ ایک کی آمد زیادہ ہے وہ اچھے کھانے کھاتا اور اچھے کپڑے پہنتا ہے اور دوسرے کی آمد کم ہے اس لیے وہ فاقے کرتا ہے۔ یا تن ڈھانکنے کے لیے اُس کے پاس پھٹا پرانا لباس ہے لیکن قانون کی پابندی دونوں نے کی ہے۔ یعنی ہر ایک ہی نے کھانا کھایا ہے اور گوٹے کناری پر اپنا روپیہ تحریک کے بعد ضائع نہیں کیا۔

غرض سادگی ایک نسبتی چیز ہے اور قربانی بھی نسبتی امر ہے۔ پھر ہمارے لیے کیوں ایسا کرنا جائز نہیں؟ اگر ہم چندہ دوسروں کی نسبت زیادہ رکھیں اور ہمارا معیارِ قربانی بھی دوسروں کی نسبت زیادہ بلند ہو اور پھر ہماری حالت ہر شخص سے اچھی ہو اور بعض سے خراب تو ہم پر اعتراض کیسا؟ بہر حال تمہیں دو میں سے ایک بات ضرور ماننی ہوگی۔ شُتر مرغ کی طرح تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم اونٹ بھی ہیں اور مرغ بھی۔ یا تو تمہیں اونٹ بننا پڑے گا یا مرغ۔ یہ دونوں چیزیں ایک وقت میں اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ یا تو یہ فیصلہ کیا جائے کہ جماعت کے غریب سے غریب آدمی کی حالت کے برابر سب کو رہنا چاہیے۔ اگر ایسا فیصلہ کیا جائے تو ہم اِنْشَاءَ اللّٰہُ کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ اور اگر یہ فیصلہ ہو کہ یہ نسبتی چیز ہے

تو جو اپنے لیے قانون بناؤ گے وہی ہمارے لیے ہونا چاہیے۔ بہر حال ایک ہی قانون ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ کسی کے لیے کوئی قانون ہو اور کسی کے لیے کوئی قانون۔ اگر جماعت یہ فیصلہ کرے کہ ہر امیر و غریب کو فاقہ سے رہنا چاہیے تو ہمیں اِس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ یقیناً اگر جماعت ایسا کرنا چاہے تو گو یہ غیر طبعی بات ہوگی مگر ہوگی مفید۔ دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ سوائے جنگ کے حالات کے۔ جنگ کے دوران میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ اگر کسی کے پاس ایک من غلہ ہے تو ایک من غلہ لے آئے اور جس کے پاس ایک سیر غلہ ہے تو وہ ایک سیر غلہ لے آئے ......اور سب مل کر کھائیں مگر عام حالات میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا، نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا کیا، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایسا کیا اور نہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا کیا۔ پھر بھی جماعت اگر ایسا فیصلہ کر دے تو اُس کے کئی پہلو نیک بھی ہو سکتے ہیں. لیکن اگر یہ فیصلہ ہو کہ سادگی اور قربانی دونوں نسبتی چیزیں ہیں تو ہمارے خاندان کے افراد سے بھی نسبتی قربانی کا ہی مطالبہ ہوسکتا ہے۔ اگر وہ اس سے زیادہ کریں یہ اُن کی خوش قسمتی ہوگی۔ مثلاً جماعت سے مَیں نے مطالبہ کیا ہے کہ جن کو خدا تعالیٰ توفیق دے وہ 50 فیصدی چندہ دیں۔ اب اگر کوئی ایسا شخص 50 فیصدی چندہ دے دیتا ہے اور پھر اُس کے پاس اتنا روپیہ بچ جاتا ہے جس سے وہ گوشت کھاتا ہے تو دال کھانے والا آدمی اُس پر یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ وہ دال کیوں نہیں کھاتا۔ یہ اعتراض اُسی وقت ہوسکتا ہے جب جماعتی طور پر یہ فیصلہ کیا جائے کہ ہر شخص دال ہی کھائے۔ تب بے شک اگر کوئی شخص دال نہیں کھاتا اور شوربا کھاتا ہے تو وہ غداری کرتا اور دھوکا بازی کا ارتکاب کرتا ہے۔

پھر اُس خاتون نے لکھا ہے کہ خاندان کی عورتیں کام نہیں کرتیں۔ یہ بھی واقعہ کے خلاف ہے۔ اوّل تو ہر چیز کی ایک نسبت ہوتی ہے۔ میری بڑی بیوی کی عمر اس وقت 57 سال کی ہے۔ پھر اُنہیں بلڈ پریشر (Blood Pressure) کا مرض ہے۔ دل کی دھڑکن ہے اور استحاضہ کی بھی بیماری ہے جس میں عورت قریبُ المرگ ہو جاتی ہے۔ اب مساوات تو تبھی ہوسکتی ہے جب اُس عورت کو بھی یہی بیماریاں ہو جائیں ورنہ یہ کتنی حماقت کی بات ہوگی کہ ساٹھ سالہ عمر والی عورت کے متعلق ایک 25 سالہ عورت یہ کہنے لگ جائے کہ دیکھو مَیں یہ کام کر لیتی ہوں مگر وہ نہیں کرتی۔ اِس عمر اور اِن بیماریوں کے ساتھ اگر موازنہ نہ کیا جائے پھر مساوات ہوتی۔ ولایت میں دستور ہے کہ گھوڑ دوڑ سے پہلے

گھوڑے اور سوار کا وزن کر لیتے ہیں اور جتنی کمی ہو اُتنا بوجھ ساتھ باندھ دیتے ہیں۔ اِس طرح اعتراض تبھی صحیح ہو سکتا ہے جب اعتراض کرنے والی کی وہی عمر، وہی صحت ہو۔ یہ کیا کہ بڑی عمر اور کمزور صحت والی عورت سے وہ عورت مقابلہ کرنے کے لیے کھڑی ہو جائے جو چھوٹی عمر کی ہو اور جس کی صحت اچھی ہو اور کہے کہ مَیں کام کرتی ہوں اور وہ کام نہیں کرتی۔

پھر یہ بھی غلط ہے کہ ہمارے گھر کی مستورات کام نہیں کرتیں۔ جب ہم قادیان سے آئے ہیں تو ہمارے گھر میں ایک لنگر جاری تھا۔ اڑھائی سَو کے قریب افراد تھے اور اُن اڑھائی سو افراد کے کھانے کا انتظام جن میں میرے بھائی، بہنیں، بھتیجے سب شامل ہیں سات آٹھ ماہ تک میری بڑی بیوی اُمِّ ناصر کے سپرد رہا۔ وہی سب کھانا پکواتی اور تقسیم کرتی تھیں۔ باقی گھر کے لوگ اگر کسی چھوٹی موٹی بات میں مدد کر دیتے تو اَور بات تھی ورنہ پکا پکایا کھانا ہی ہمیشہ اُن کے سامنے جاتا تھا۔ پھر اُنہی دنوں یہاں رتن باغ میں چودہ سَو سے زیادہ مہاجر عورتیں ٹھہری ہوئی تھیں اُن کو کون کھلاتا تھا؟ کیا لاہور کی عورتیں اُن کو آ کر کھلاتی تھیں؟ مہینوں سینکڑوں عورتیں یہاں پڑی رہیں سب عورتوں کی ہر طرح خدمت کی جاتی رہی۔ یہ خدمت ہمارے گھر کی مستورات ہی کرتی تھیں اور یا پھر مہاجرات میں سے بعض عورتیں اُن کی مدد کر دیتی تھیں۔ پس یہ کہنا کہ ہمارے گھر کی عورتیں کام نہیں کرتیں غلط ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ ہماری عورتیں موٹر وغیرہ پر سواری کرتی ہیں اِس کا جواب یہ ہے کہ اگر سواری گھر میں ہو گی تو ضرور استعمال کی جائے گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی سواری استعمال کرتے تھے۔ جس کو سواری نصیب ہو آخر وہ کیوں استعمال نہ کرے۔ اِس طرح وقت بھی بچ جاتا ہے اور کام بھی جلدی ہو جاتا ہے۔ مجھ پر بعض لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مَیں موٹر میں سواری کیا کرتا ہوں۔ اگر سواری نہ کروں تو پھر کہیں گے کہ کام تھوڑا کرتا ہے۔ یہ بات تو ویسی ہی ہے جیسے کہتے ہیں کہ کوئی خاوند اپنی بیوی کے پیچھے پڑ گیا کہ جب تُو روٹیاں پکاتی ہے تو تیری کُہنیاں کیوں ہلتی ہیں؟ اب یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک عورت روٹیاں بھی پکائے اور اُس کی کُہنیاں بھی نہ ہلیں۔ اِسی طرح یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کام بھی زیادہ ہو اور اَسباب بھی مہیا نہ ہوں۔ جماعت یہ تو کہے کہ ہماری چٹھیوں کا جواب جلدی کیوں نہیں دیا جاتا مگر اعتراض یہ کرے کہ ایک پرائیویٹ سیکرٹری اور سات آٹھ آدمی عملہ میں کیوں رکھے ہوئے ہیں۔ یہ بھی مطالبہ کرے کہ رُقعوں کا جواب جلدی دیا جائے اور یہ بھی کہے کہ جواب

دینے والا عملہ نہ ہو یہ عقل کے خلاف بات ہے۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ لجنہ کی کلرک کیوں ہے؟ اِس کے متعلق یاد رہے کہ لجنہ کی ایک کلرک نہیں بلکہ دو کلرک ہیں۔ اِس طرح مَیں اعتراض کرنے والی کے اعتراض کو اَور بھی پکا کر دیتا ہوں لیکن مجھے دو پر بھی اعتراض ہے۔ مَیں قریباً سال بھر سے اپنی بیوی سے جھگڑا کر رہا ہوں کہ دو کلرک کافی نہیں ایک تنخواہ دار سیکرٹری کا بھی اضافہ کیا جائے۔ مگر اُس خاتون کو اعتراض ہے کہ ایک کلرک بھی کیوں ہے۔ اُنہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہندوستان اور امریکہ میں چار سَو لجنات پائی جاتی ہیں۔ اُن سب کا کام ایک کلرک کیسے کرسکتی ہے۔ اُس خاتون نے تو دفتر میں کبھی کام نہیں کیا۔ اُس کے خاوند نے کیا ہوگا وہ اپنے خاوند سے پوچھے کہ چار سَو ڈپٹی کمشنروں سے خط و کتابت کرنے کے لیے کتنے عملہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں پنجاب میں سولہ ڈپٹی کمشنر ہیں۔ ان سولہ ڈپٹی کمشنروں کی نگرانی کے لیے کمشنروں کے دفاتر میں کتنا عملہ رکھا ہوا ہے۔ پھر چار سو لجنات کے لیے کوئی ایک کلرک کس طرح کافی ہوسکتی ہے۔ پھر اُس خاتون نے تو غالباً تعلیم نہیں پائی اِس لیے شاید وہ اِس کی اہمیت نہ سمجھ سکیں لیکن وہ اس بارہ میں اپنے خاوند سے ہی دریافت کرلیں۔ میری بیوی ایم اے کا امتحان دے رہی ہے اور دو سال کی پڑھائی آٹھ مہینے میں کررہی ہے۔ اُس خاتون نے خود تو کوئی امتحان نہیں دیا ہوگا۔ اُس کے خاوند اور بھائیوں نے تو ایم اے کی تیاری کی ہوگی۔ وہ اُن سے ہی پوچھ سکتی ہیں کہ اس پر کتنا وقت صَرف ہوتا ہے۔ چار گھنٹے اُن کو صرف پروفیسر پڑھاتے ہیں اور پھر پڑھائی کو یاد کرنے کے لیے بھی وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ کچھ مَیں بھی اُن سے دفتر کا کام لیتا ہوں۔ اِس لیے اُن پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ وہ کام نہیں کرتیں۔

یہ بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ آپ کی خاندان کی عورتیں لجنہ میں نہیں جاتیں۔ واقع یہ ہے کہ عورتیں اِس وقت بیٹھی سن رہی ہیں کہ یہاں دو جلسے ہوتے ہیں۔ ایک جلسہ قادیان کی لجنہ کا ہوتا ہے اور دوسرا جلسہ لاہور کی لجنہ کا ہوتا ہے۔ ابھی کچھ دن ہوئے لاہور کی لجنہ کا جلسہ ہوا۔ جب تعداد معلوم کرنے کے لیے پوچھا گیا کہ لاہور کی عورتیں کھڑی ہوجائیں تو اُس میں لاہور کی صرف پچاس عورتیں تھیں اور دو سو قادیان کی عورتیں تھیں۔ یہ لاہور کی لجنہ کا حال ہے۔ لیکن قادیان والی عورتوں کے جلسہ میں شاذ و نادر ہی کوئی لاہور کی عورت آتی ہے۔ پس یہ اعتراض بھی غلط ہے۔

غرض تمام باتیں جو اُس خاتون نے لکھی ہیں غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ لیکن اگر میرے اِس جواب

سے بھی اُن کو تسلی نہ ہو تو صحیح طریق یہ ہے کہ وہ خاتون اپنے خاوند کو ساتھ لے کر آ جائیں ہم ٹرنک اُن کے سامنے رکھ دیں گے۔ وہ دیکھ لیں کہ ہمارے گھر میں کتنے گوٹہ کناری والے کپڑے ہیں اور وہ کب سے بنے ہوئے ہیں۔ وہ کپڑوں کی قیمت کا بھی اندازہ لگا لیں۔ اگر اُن کی بیان کردہ قیمت سے وہ کم قیمت کے ہوئے تو وہ اِس کمی کو پورا کر دیں۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ جو چیز آسانی سے طے کی جاسکتی ہے اُس کے لیے کسی جھگڑے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اب بھی جمعہ کی نماز میں میری بیویاں آئی ہوئی ہیں اور وہ وہاں بیٹھی ہیں۔ اُن کا لباس وہ دیکھ لیں۔ دو کو مَیں نے یہ خط بتایا ہی نہیں دو کو مَیں نے بتایا ہے مگر وہ اُسی لباس میں ہی آ گئی ہیں۔ خط سننے کے بعد اُنہوں نے لباس کو بدلا نہیں اور اِس کی مَیں خود گواہی دیتا ہوں۔ اُن کے لباس کو دیکھ لیں کہ کیا یہ اعتراض درست ہے؟

باقی رہا سنگھار کا سوال۔ سو ظاہر ہے کہ وہ سنگھار اُسی رقم میں سے کر سکتی ہیں جو مَیں اُن کو دیتا ہوں اور وہ رقم مَیں بتا چکا ہوں۔ ایک کے پاس جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے صفر بچتا ہے اور صفر سے جتنا سنگھار کیا جا سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ باقی بیویوں کے پاس بھی زیادہ سے زیادہ پندرہ روپے بچتے ہیں اور آجکل گرانی کا جو حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اِن پندرہ روپوں میں جتنا کپڑا خریدا جا سکتا ہے یا جتنی جُوتیاں خریدی جا سکتی ہیں اُس کے متعلق ہر شخص خود ہی اندازہ لگا سکتا ہے۔ آجکل تو اتنے روپیہ میں جُوتیاں بھی مشکل سے خریدی جا سکتی ہیں۔ قیمتیں اِتنی بڑھ گئی ہیں کہ حیرت آتی ہے۔ دس پندرہ روپے میں ایک معمولی جُوتی آتی ہے۔ اگر دیسی جُوتی کا بھی استعمال کیا جائے تو جو جُوتی کبھی سوا روپے میں آتی تھی اب آٹھ آٹھ نو نو روپے میں آتی ہے۔ پھر تیل اور صابن وغیرہ سب چیزیں نکال کر دیکھنا چاہیے کہ ان کے پاس کیا بچتا ہے اور اُس میں سے کیا کچھ کیا جا سکتا ہے۔

باقی رہا ہُنر۔ سو اگر کوئی ہُنر اور سلیقہ شعاری سے کام لیتا ہے تو اُس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ قابلِ تعریف بات ہے۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قربانی کے لیے ایک بکرے کی ضرورت تھی۔ آپ نے ایک صحابی کو بلایا اور اُسے ایک دینار دے کر فرمایا کہ اس کا بکرا لے آؤ۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا تو اُس نے کہا یا رسول اللہ! یہ بکرا بھی حاضر ہے اور دینار بھی حاضر ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تم نے کیا کیا؟ کیا بغیر قیمت ادا کیے لے آئے ہو؟ اُس نے کہا یا رسول اللہ! یہ بات نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ بجائے مدینہ سے خریدنے کے میں تین چار میل باہر

چلا گیا۔ وہاں ایک دینار کے دو بکرے مل گئے۔ مدینہ آ کر مَیں نے ایک بکرا ایک دینار میں بیچ دیا۔ اب یہ بکرا بھی حاضر ہے اور دینار بھی حاضر ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن کر اُس صحابی کو کوئی سزا نہیں دی۔ یہ نہیں فرمایا کہ تُو بہت نالائق ہے، تُو بکرا بھی لے آیا اور دینار بھی واپس کر رہا ہے بلکہ فرمایا خدا تعالیٰ تمہارے کاموں میں برکت دے۔ پھر اُس صحابی کے کاموں میں اِتنی برکت پیدا ہوئی کہ صحابہؓ کہتے ہیں اگر وہ مٹی کو بھی ہاتھ لگاتا تو سونا بن جاتی۔ لوگ آتے اور اُس کے گھر میں روپیہ دے کر کہتے کہ کسی ایک تجارت میں ہی ہمارا حصہ ڈال لو۔ پس عقل اور سمجھ سے کام لیتے ہوئے اگر کسی کی صفائی زیادہ ہو تو بری بات نہیں اچھی بات ہے۔

میری ایک شادی ہوئی۔ اُس بیوی کی والدہ انتظامی معاملات میں کچھ کچی تھیں۔ اُنہوں نے لڑکی کو بستر دیتے وقت ایک گدیلا بھی ساتھ رکھ دیا اور کہا کہ اگر لڑکی ایک گدیلا کہیں پھینک دے تو دوسرا استعمال کر لینا۔ اُن کی اِس بات پر اب بھی ہمارے خاندان میں ہنسی ہوا کرتی ہے۔ اُنہوں نے خیال کیا کہ جس طرح مَیں اپنی چیزوں کو سنبھال کر رکھنے کی عادی نہیں اِس طرح یہ بھی ہوگی۔ ایسی حالت میں یہ گدیلا اُس کے کام آجائے گا۔ پس ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ مگر وہ بھی ہوتے ہیں جو چیز کو سنبھال کر رکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ایسی چیز خواہ کتنی ہی پرانی ہو جائے لوگوں کو اچھی نظر آتی ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ میرا لباس اور دوسری چیزیں عام طور پر دیر تک چلتی چلی جاتی ہیں اور پھر اِس قدر اکٹھی ہو جاتی ہیں کہ مَیں اُن کو بانٹ دیتا ہوں۔ پھر دوبارہ یہ سلسلہ اِسی طرح پر چل پڑتا ہے۔ لباس کو بار بار بدلنا اور اُس کے متعلق خاص احتیاط سے کام لینا یہ مجھے پسند نہیں۔ جب مَیں ولایت گیا تو مَیں دو کوٹ بنوا کر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اُن میں سے مَیں نے صرف ایک ہی استعمال کیا۔ دوسرے کو چھُوا بھی نہیں۔ دوستوں نے کہا بھی کہ اِس کا بُرا اثر پڑے گا مگر مَیں اُن سے یہی کہتا کہ یہ اِن لوگوں کے نزدیک معیوب بات ہے ہمارے نزدیک تو معیوب نہیں۔ چنانچہ جس لباس میں مَیں گیا تھا اُسی میں واپس آ گیا۔ وہاں کے لحاظ سے یہ بات معیوب ہوگی مگر یہاں کے لحاظ سے ہمیں تو بُرا لگتا ہے کہ بار بار کپڑے بدلنے پر وقت ضائع کیا جائے۔

بہرحال پُھوہڑ پن6 قابلِ ملامت چیز ہے اور عقل قابلِ تعریف چیز ہے۔ اسراف قابلِ الزام چیز ہے اور عقل اور سمجھ سے کام لے کر چیزوں کو سنبھال کر رکھنا قابلِ تعریف چیز ہے۔

اگر کوئی شخص عقل اور سمجھ کا دروازہ بند کر کے اعتراض کرتا ہے تو اِس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ انسانی دماغ کی قیمت کو گراتا ہے اور چاہتا ہے کہ انسانی تمدن اور تہذیب پہلے سے گر جائے۔ بہرحال جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے اُس خاتون کے الفاظ پر پتہ لگتا ہے کہ اُس کے مدنظر صرف اعتراض کرنا نہیں تھا بلکہ اعتراضات کی اصل غرض اصلاح تھی۔ چاہے یہ اعتراضات کیسی ہی غلط فہمی پر مبنی تھے۔ اِس لیے مَیں اُس خاتون کے اس فعل کو اچھا سمجھتا ہوں اور اُس کے خاوند پر ہی الزام لگاتا ہوں کہ وہ کیوں خفا ہوا اور کیوں اُس نے ایسا جواب دیا جو اعتراض کو پکا کرنے والا تھا اسے چاہیے تھا کہ اعتراض کو بجائے پکا کرنے کے اُس کا مدلّل جواب دیتا۔ ہر شخص کو دلیل سے قائل کرنا چاہیے خواہ بیوی ہو یا خاوند۔ کسی کا کوئی حق نہیں کہ وہ دماغی افکار پر حکومت کرنا چاہے۔ دماغی افکار پر سوائے خدا کے اَور کوئی حکومت نہیں کرسکتا۔ اور خدا بھی کہتا ہے کہ مَیں ایسا نہیں کیا کرتا۔ پھر اَور کون ایسا کرسکتا ہے"۔

(الفضل 26 مئی 1948ء)

---

1 : ابن ماجہ ابواب النکاح باب النظر الی المرأة اذا اراد ان یتزوجھا میں "اَبَوَیْھَا" کے الفاظ ہیں۔

2 : مسند احمد بن حنبل جلد 2 مسند المکثرین من الصحابہ ۔ مسند ابی ھریرةؓ میں "سُکُوْتُھَا رَضَاھَا" کے الفاظ ھیں.

3 : لَزُوجت: لیس۔ چیپ۔ لُعاب۔

4 : بخاری کتاب الجھاد باب اسْمِ الْفَرَسِ وَالْحِمارِ وبا ب ناقَة النّبی ﷺ

5 : تفسیر بیضاوی۔ سورۃ التوبہ آیت 92. وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ

6 : پھوہڑپن: نادانی۔ بیوقوفی۔ بے ہُنری